محمد الیاس خان

تاجکستان کے پارلیمانی انتخابات: اہداف و نتائج

جیسا کہ ہم نے جنوری - فروری (۹۵ء) کے شمارے میں اپنے ان خدشات کا اظہار کیا تھا کہ دوشنبے میں برسرِاقتدار کمیونسٹ حکومت کے تاجک امن مذاکرات میں شرکت کے پسِ پردہ اصل مقاصد حکومت پر اپنی گرفت مستحکم کرنے کے لیے وقت کا حصول اور اِس دوران انتخابات، ریفرنڈم وغیرہ کا ڈھونگ رچا کر اپنی حکومت کے وجود کو مصنوعی جواز فراہم کرنا ہے۔ دوشنبے میں اقتدار پر ناجائز قبضہ کرنے والی رحمانوف حکومت نے جمہوریت کے بنیادی تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ۶ نومبر ۹۴ء کو صدارتی انتخابات اور صدر کے عہدہ کی بحالی کے لیے ریفرنڈم منعقد کروایا۔ من پسند نتائج کے حصول کے لیے وسیع پیمانے پر دھاندلیوں کا ارتکاب کیا گیا حتیٰ کہ دوشنبے میں قائم تنظیم برائے یورپی تعاون و سلامتی کے مشن کے سربراہ جناب گانچو گنچیف کو کہنا پڑا۔ "There Is no Basic Level Of Democracy" یعنی [تاجکستان میں] جمہوریت کی بدایات بھی موجود نہیں ہیں[۱]۔ یہی وجہ تھی کہ بین الاقوامی برادری اور کانفرنس آن سیکورٹی اینڈ کوآپریشن ان یورپ (CSCE) نے اِن انتخابات کی نگرانی کے لیے اپنے مبصّر بھجوانے سے انکار کر دیا تھا۔ CSCE کے اہل کاروں نے کہا تھا کہ "آزادانہ اور منصفانہ انتخابات منعقد کروانے کے لئے ضروری شرائط پوری نہیں کی گئی تھیں"[۲]۔

جمہوریت کی بدایات کے ذکر کی مناسبت سے یہاں تاجکستان کی کمیونسٹ حکومت کی طرف سے منعقد کروائے جانے والے صدارتی انتخابات، ریفرنڈم اور پارلیمانی انتخابات کے پسِ منظر پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاجکستان میں جاری خانہ جنگی کا بنیادی سبب دوشنبے میں حکمران کمیونسٹ ٹولے کی طرف سے سوویت عہد کے پرانے نظام اور آئین میں کسی قسم کی تبدیلی یا ترمیم سے مسلسل انکار ہے۔ جب کہ پرانے نظام اور آئین میں نہ تو کثیر جماعتی جمہوریت کی گنجائش ہے اور نہ ہی پریس کی آزادی اور بنیادی حقوق کی نگہداشت اور تحفظ کی گنجائش ہے۔ نئے آئین کی تشکیل، سیاسی جماعتوں کی قانونی حیثیت اور پریس کی آزادی کی بحالی اور حزبِ اختلاف کی سیاسی جماعتوں کے ارکان کے خلاف قائم مقدمات کی واپسی پر اتفاق کے بغیر تاجک بحران کے حل ہونے کے امکانات

تقریباً معدوم ہیں۔

دوسری طرف دوشنبے کی کمیونسٹ حکومت کی طرف سے جمہوری معاشرہ کی تشکیل کے سلسلے میں بنیادی اقدامات اٹھانے سے مسلسل انکار اور حزب اختلاف کو آزادانہ طور پر مسلّمہ جمہوری اصولوں کے تحت انتخابی عمل میں حصّہ لینے کا موقع فراہم کیے بغیر سوویت طرز پر نمائشی انتخابی عمل جاری رکھنے پر اصرار سے اس کے حقیقی عزائم کی نشاندہی ہوتی ہے۔ دوشنبے کے کمیونسٹ حکمران ہر حال میں کرسی سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی بھی ایسا قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کے نتیجے میں حزبِ مخالف کی سیاسی جماعتوں کو اقتدار میں شرکت کا موقع ملے۔

۲۶ فروری کو منعقد کروائے جانے والے پارلیمانی انتخابات میں، سوویت عہد کی یاد تازہ کرتے ہوئے، صرف اُن میدواروں کو شرکت کی اجازت دی گئی جن کی صدر امام علی رحمانوف کے ساتھ وفاداری یقینی تھی۔ حزبِ مخالف کی اہم سیاسی جماعتوں کی طرف سے تو ان انتخابات میں شرکت کا سوال ہی نہیں تھا کیونکہ ان کا بنیادی مطالبہ سوویت عہد کے نظام و آئین میں تبدیلی ہے، جس کے بغیر، اُن کے موقف کے مطابق، کوئی بھی انتخابی عمل نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو گا۔ [نام نہاد] اپوزیشن کی واحد جماعت، جسے ان انتخابت میں صرف پانچ امیدوار نامزد کرنے کی اجازت دی گئی، پیپلز یونٹی پارٹی تھی [۳]۔ PUP کے سربراہ سابق وزیراعظم عبدالمالک عبداللہ جان ہیں، جو خود کمیونسٹ ہیں اور اُن کا تعلق تاجکستان کے ان علاقوں سے ہے جو کمیونسٹوں کا گڑھ ہیں۔ واضح رہے کہ چھ نومبر ۹۴ء کے صدارتی انتخابات میں بھی محض دکھاوے کی خاطر عبدالمالک عبداللہ جان کو صدر رحمانوف کے مقابلہ میں انتخابات لڑنے کے لیے، ازبکستان اور روس کی کوششوں سے، رضامند کر لیا گیا تھا [۴]۔ بہرحال عبدالمالک عبداللہ جان کی PUP نے بھی انتخابات کے انعقاد سے صرف دو روز قبل ان کا بائیکاٹ کرنے کا اعلان کر دیا۔ پارٹی نے اس بائیکاٹ کی وجہ "رحمانوف حکومت کی طرف سے غیر جمہوری ہتھکنڈوں کا استعمال" قرار دیا [۵]۔ امام علی رحمانوف نے PUP کے اس بائیکاٹ کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور پروگرام کے مطابق انتخابات منعقد کروائے۔ جن میں، دعویٰ کیا گیا کہ، ۸۵ فیصد ووٹروں نے حصّہ لیا۔ نتیجتاً ۱۸۱ ممبران پر مشتمل ایک ایسی پارلیمنٹ سامنے آئی، جس کے سارے کے سارے ارکان کمیونسٹ سرخے (Red Barons) ہیں، اور جن سے توقع یہی ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے حزبِ مخالف کی جماعتوں کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت کی سختی سے مزاحمت کریں گے۔ چنانچہ تاجک بحران کے حل ہونے کی بجائے حکومت اور حزبِ مخالف کے درمیان قائم جنگ بندی کے ناکام ہونے اور فریقین کے درمیان مسلح جھڑپوں اور عسکری کارروائیوں کے پھر سے چھڑ جانے کے امکانات مزید بڑھ گئے ہیں۔

حزبِ اختلاف کی سیاسی جماعتوں کی قیادتیں اس نقطہ پر تقریباً متفق ہیں کہ دوشنبے کی حکومت

مذاکرات کے ذریعہ بحران کا حل ڈھونڈنے میں مخلص نہیں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خود حکومتی اہل کاروں کے اقدامات اور بیانات حزبِ مخالف کے اس موقف کی تائید کرتی ہیں۔ پچھلے سال اکتوبر میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والے امن مذاکرات کے تیسرے دور کے موقع پر تاجکستان کی پارلیمنٹ کے سپیکر اور مذاکرات میں حکومتی وفد کے سربراہ جناب عبدالمجید دوستییف نے یہ کہہ کر کہ "میدانِ جنگ کی بجائے مذاکرات کی میز پر جنگ بندی کی شرائط طے کرنا اُن کے لیے باعث شرم ہے"[۹] حزبِ مخالف کے ان خدشات کی تصدیق کر دی تھی کہ حکومتی فریق خلوصِ نیت سے نہیں بلکہ زمینی حقائق سے مجبور ہو کر مذاکرات کے عمل میں شریک ہورہا ہے۔ درحقیقت رحمانوف حکومت کا متکبرانہ رویّہ اور اس کی طرف سے حزب مخالف کی اسلام پسند اور جمہوریت نواز قوتوں کی تحقیر و تذلیل اور اُنہیں ہر طور ملکی سیاست سے دور رکھنے کی پالیسیاں بحران کی شدّت بڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس صورتِ حال میں حزبِ مخالف کے "عسکریّت پسندوں" سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ "تنگ آمد بجنگ آمد" کے مصداق پھر سے حکومت کے خلاف عسکری کارروائیاں تیز کرنے کے لیے سوچنے لگیں گے۔

دوسری طرف ۲۵۰۰۰ (پچیس ہزار) روسی فوجیوں کی تاجکستان میں موجودگی اور ان کی طرف سے دوشنبے کے کمیونسٹ حکمرانوں کی پشت پناہی ایسے عوامل ہیں جو مستقبل قریب میں کسی فوجی حل کے امکان کو بھی مسترد کرنے کے لیے کافی ہیں۔ چنانچہ امکان یہی ہے کہ سیاسی محاذ پر رحمانوف حکومت کی طرف سے حزبِ مخالف کے جائز مطالبات تسلیم کرنے سے مسلسل انکار اور فوجی محاذ پر اسے حاصل روسی فوجوں کی پشت پناہی نہ صرف بحران کے لاینحل ہونے کی ضمانت فراہم کرتے رہیں گے بلکہ حکومتی جبر واستبداد اور خونریزی کے تسلسل کا بھی سبب بنے رہیں گے۔

مغربی دارالحکومتوں پر احیائے اسلام کا بھوت کچھ اس طرح سے سوار ہے کہ مغربی سیکولرزم پر "اسلامی بنیاد پرستی" کے غلبہ کے موہومہ خطرات کے زیرِ اثر وہ دوشنبے میں برسرِاقتدار جمہوریّت دشمن کمیونسٹ استبدادی حکومت پر بنیادی جمہوری اقدار کے احترام کے لیے کسی قسم کا دباؤ ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ واشنگٹن اور دیگر مغربی دارالحکومتوں کے ان دوہرے معیارات نے ہی صدر رحمانوف کی طرح کے جابر حکمرانوں کو اقتدار سے چمٹے رہنے کے لیے ہر طرح کے استبدادی ہتھکنڈوں کے استعمال کی جرأت بخشی ہے۔ مغرب اور روس کی طرف سے رحمانوف حکومت کی اس بالواسطہ اور بلاواسطہ تائید کی بدولت ایک طرف تو دوشنبے کے حکمرانوں کو برائے نام انتخابی عمل کے ذریعے اپنا اقتدار مستحکم کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اور دوسری طرف اس کی وجہ سے طاقت کے توازن میں بگاڑ پیدا کر دیا گیا ہے جو امن مذاکرات کو سبوتاژ کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اگرچہ رحمانوف حکومت کے انتخابی عمل کے کھوکھلے پن پر مغربی حلقوں میں مبہم اور غیر جانبدار انداز میں تنقید کی گئی لیکن اس

انتخابی عمل کے جواز کو چیلنج نہیں کیا گیا۔ نتیجتاً دوشنبے کے حکمرانوں کی (Legitimacy) یعنی "قانونی حیثیت" کا اعتراف کر لیا گیا ہے۔ ۲۶ فروری کے پارلیمانی انتخابات کے نتیجے میں اپنی پسند کی پارلیمان کے "انتخاب" میں کامیابی کے بعد صدر رحمانوف کو "اسلامی عسکریت پسندوں" کے ساتھ مزید سختی کے ساتھ نمٹنے کے لیے ایک اور "سند جواز" مل گیا ہے۔

ان حالات میں بظاہر حزبِ مخالف کی سیاسی جماعتوں کے پاس ایک بار پھر مسلح جدوجہد کا راستہ اختیار کرنے کے علاوہ اور کوئی انتخاب (Option) نہیں رہ گیا ہے۔ حالیہ دنوں میں حزبِ مخالف کے بعض لیڈروں کے بیانات سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے۔ بی بی سی ریڈیو رپورٹ کے مطابق اگرچہ تاجک حزبِ مخالف نے ۶ مارچ کو جنگ بندی معاہدہ میں ۲۶ اپریل تک یک طرفہ طور پر توسیع کا اعلان کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے ماسکو میں منعقد ہونے والے امن مذاکرات کے چوتھے دور کے بائیکاٹ کا بھی اعلان کیا۔ اپوزیشن لیڈر جناب تورے جان زادہ نے مستقبل میں ماسکو میں منعقد ہونے والے امن مذاکرات کے چوتھے دور میں حزبِ مخالف کی شرکت سے متعلق کہا: "ہم مذاکرات کے مجوزہ ماسکو دور میں اُس وقت تک شریک نہیں ہوں گے جب تک روس ۱۹۹۴ء میں تہران اور اسلام آباد میں طے پانے والے معاہدات کی پاسداری کی ضمانت فراہم نہیں کرے گا"[۷]۔ جناب تورے جان زادہ نے مزید کہا کہ "ان معاہدات میں روس نے اس بات پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ وہ تاجکستان میں موجود اپنی ۲۵۰۰۰ افواج کو واپس بلا لے گا"[۸]۔ روسی حکام اس سلسلے میں کسی قسم کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے بقول "ماسکو تاجک امن مذاکرات میں پارٹی نہیں ہے۔ روس نے ان مذاکرات میں محض ایک مبصر کی حیثیت سے شرکت کی تھی"[۹]۔

حواشی

1. Dr. Imran Khalid, Tajkistan's First - ever Parliamentary Elections, Daily *"The Nation"* March 29, 1995.

۲۔ محمد الیاس خان، تاجک بحران: سنجیدہ مصالحتی کوششوں کی ضرورت، دو ماہی وسطی ایشیا کے مسلمان، جنوری - فروری ۱۹۹۵ء

3. Ahmad Rashid, Central Asia Struggles to Geate New Political Culture, *"The Nation"* March 11, 1995.

۴۔ محمد الیاس خان، بحوالہ بالا

5. Ahmad Rashid, Op. cited.
6. Dr. Imran Khalid, Op. Cited.
7. Dialy *"Dawn"* Karachi, March 7, 1995.
8. Daily *"The News"* Rawalpindi, March 7, 1995.
9. *"The News"* March 7, 1995.